OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

غالب کا عرفانِ رسول ﷺ: ایک مطالعہ
A Study of *Ghalib's Irfan-e-Rasool*ﷺ

Muhammad Shahzad Akhtar Biag
Doctoral Candidate Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad
Uzma Bukhari
Assistant Professor of Urdu, Govt. Graduate College, Chishtian
Yasir Zeeshan Mughal
Lecturer in Urdu, Govt. Jinnah Islamia Graduate College, Sialkot

Abstract

There is always an angle and expression of poetic harmony in Seerat-e-Rasool, in which the poets express their affection for the holy Prophet (PBUH). Every poet has embellished his work with such heartfelt affection for the holy Prophet (PBUH) in this field. In this regard, there is Ghalib's perfection of affection as well as an expression of his thoughts about the Irfan-e-Rasool hidden in the unconscious. Ghalib's deep passion for the admiration of the Holy Prophet (PBUH), has best been expressed in his Urdu and Persian works. That's why; his work is replete with manifestations of admiration and affection for the the Holy Prophet (PBUH). The collective colour of this affection is manifested in the form of Islam, Allah, the Holy Prophet and the honor, respect and the mark of respect for the Ahly-e-Bayt. His Urdu and Persian poetry shows the depth of his religious thoughts, ideas, observations and experiences about Irfan-e-Rasool. We rarely find such things in Ghalib's practical life, but his work shows that the greatness of the Prophet

CC BY

was present in the depths of his heart , the expression and confession of which is revealed in his work. This article focuses on such hidden factors as are present in Ghalib's work.

Keywords: Naʿt Literature, Ghalib, Poetry, Irfan-e-Rasool

تمہید

سیرتِ رسول کا ایک زاویہ اور اظہار شعری آہنگ بھی ہے جس میں شاعر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لیے قدیم اور جدید شعر و ادب کے کمالات میں نعتیہ مدحتِ رسول ﷺ ہمیشہ شامل رہے ہیں جنھوں نے ہمارے لاشعور میں پوشیدہ حبِ رسول کی جگہ لے رکھی ہے۔ ہر باکمال شاعر نے اس میدان میں اپنی قلبی واردات کو صفحات کی زینت بنایا ہے۔ غالب کے ہاں یہ کمال ایک طرف تو محبت کا رنگ ہے اور دوسری طرف غالب کی فکر اور لاشعور میں پوشیدہ عرفان رسول کا اظہار بھی ہے ۔ غالب کو جناب رسول اکرم کی ستائش نگاری اور مدح سرائی سے جو گہرا شغف تھا، اس کا بہترین اظہار انہوں نے اپنی اردو اور فارسی تخلیقات میں کیا ہے جن سے غالب کے باطن میں پوشیدہ محبت رسول کا اجتماعی رنگ اسلام، خدا، نبی کریم، ذکر اہل بیت اور امام و خلفا کی عزت و توقیر کی صورت میں ان کے ہاں شعری شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کی اردو اور فارسی نظم و نثر میں شعوری اور لاشعوری طور پر چھپے ہوئے ان کے مذہبی افکار، خیالات، مشاہدات اور تجربات میں عرفان رسول کا رنگ سب سے گہرا ہے۔

سیرتِ رسول ﷺ کے ذخائر کی موجودگی سے اردو ادب کو جو عزت و زینت ملی ہے اس سے جہاں ایک طرف اصاف ادب میں اضافہ ہوا ہے وہیں سیرت نگاروں کی دلوں کی ترجمانی نے بھی اہل دل کے ذوق کو جلا عطا کی ہے۔ اردو نثر کے علاوہ سیرت نگاری کے کئی ایک ادبی پہلو ہیں جن میں شعری انداز نمایاں ہے۔ شعر و شاعری کی دنیا میں اگرچہ ہر صنف میں اہل خرد و وفا نے جناب رسول اکرم کی ذات مبارکہ کو موضوع سخن بنا کر شاعری کی فکری دنیا کے مان کو بڑھا دیا ہے۔ ادیبوں نے اپنی فکر کے حروف پوش کر کے اپنے ادب میں اس کامل ترین شخصیت کی تہنیت و تقدیس بیان کی ہے، جس کے جاہ و جلال، تقوا، اخلاص، توکل، صبر و تحمل، تدبر و تشکر اور فصاحت و بلاغت کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ روحِ کونین ہے جس کا اسوہ حسنہ مرکزِ درود و سلام ہے ۔ قرآن مجید نے رحمۃ للعالمین، طٰہٰ و یٰسین، مدثر و مبشر، منذر و نذیر، مزمل و سراجِ منیر جیسے الفاظ سے خاتم النبین کو خطاب کر کے جہاں ابنِ آدم کو دربارِ رسالت مآب میں گفتگو کا سلیقہ بتایا وہیں اس کی مدد سے نوع انسانی پر عرفان رسول کے راز بھی واشگاف کیے ہیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بعد سے آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں رہا جس میں محاسن عرفانِ رسول ادبی طور سے بیان نہ کیے جاتے ہوں۔ اس ادبی رنگ کا بڑا اظہار اردو نعت ہے۔ گیارہویں صدی ہجری کے اختتام تک شاید ہی کوئی مسلمان شاعر ایسا ہو جس نے اپنی زبان سے نعت رسول نہ کہی ہو۔ بعض بعض شعراء نے اپنی ساری عمریں ہی نعت گوئی میں صرف کر دیں۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ بردہ شریف اس فن کی معراج ہے۔ روایت کے مطابق اس کو امام صاحب کے خواب میں ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور پسند فرمایا۔ امام صاحب کے مفلوج جسم پر شفا کے لیے ہاتھ پھیرا۔ اور چادر انعام میں عطا فرمائی۔ جس کو امام صاحب نے جاگنے پر اپنے اوپر پڑا ہوا پایا۔ اور جسم حیرت انگیز طور پر صحت مند ہو گیا۔ مولوی معنوی کی

مثنوی شریف بھی نعتوں کا خوشنما گلدستہ ہے۔ اگرچہ مثنوی شریف پند و موعظت کی حکایات پر مشتمل ہے مگر وہ حکایات بھی نعت گوئی سے خالی نہیں۔ ایرانی شعراء نے نعت گوئی میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ حسان العجم کہلائے۔ حسن غزنوی، نظامی گنجوی، عرفی، سعدی، جامی نے بھی اس صنف میں کافی طبع آزمائی کی اور یوں اردو نعت گوئی کے جسد میں عربی کے بجائے فارسی نعت گوئی کا خمیر پڑ گیا۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عربی میں نعت گوئی چلتی تو رہی لیکن اس فن کو جو ترقی فارسی زبان میں میسر آئی چند مستثنیات کے علاوہ عربی نعتیہ شاعری مقابلۃً پیچھے ہی رہی۔ اردو کی ابتداء کے ساتھ ہی نعت گوئی کی ابتداء کا دامن بھی بندھا ہوا ہے۔ اردو صوفیہ اور عرفاء کے ملفوظات کے ساتھ پروان چڑھی اس لیے ابتداء میں بھی اس کا دامن نعت سے خالی ہونا ناقابل تسلیم ہے۔

اردو میں نعتیہ شاعری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ اردو شاعری کی تاریخ، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب "معراج العاشقین" اور فخر الدین نظامی کی مثنوی "کدم راو پدم راو" سے باضابطہ اردو نعتیہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر ان کے بعد کے دور میں تقریباً اردو کے ہر شاعر نے نعت کو یا تو بطورِ تبرک تحریر کیا ہے یا تو روایت کے مطابق۔ دکنی مثنویوں میں حمد کے اشعار کے بعد چند نعتیہ اشعار ضرور لکھے جاتے تھے۔ ان میں تو اعلیٰ درجے کی نعتیں متحیر کر دیتی ہیں۔ مثلاً زبان کی قدامت کے باوجود وجہی کی "قطب مشتری" کے نعتیہ اشعار نہایت عمدہ ہیں اور صنفِ نعت کے جملہ تقاضے پورے کرتے ہیں۔ دکن کے بعد دہلی اور لکھنو کے مثنوی نگار اس روایت پر عمل پیرا رہے۔ حتیٰ کہ محسن کاکوروی نے مکمل نعتیہ مثنوی لکھ کر اسے تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح نعتیہ قصائد کا رواج بھی کم از کم دو سو سال پرانا ہے۔ خصوصاً سودا کا قصیدہ اس سلسلے میں لاجواب ہے اور یہ سلسلہ غالب تک پہنچتا ہے۔ اُردو کی جدید نعت کا آغاز غالب سے ہی ہوتا ہے جس کا ایک نمایاں پہلو عرفانِ رسول ہے۔ قدیم نعت قرونِ اولیٰ کے ماحول اور جمال رسول کا تذکرہ کرتی ہے جب کہ غالب سے شروع ہونے والی جدید نعت عرفان نبوی کی طرف خصوصی میلان ظاہر کرتی ہے۔ کلام غالب میں ذات رسول کریم کے عرفان کے حوالے سے ثنائے رسول ﷺ کے شاندار تخلیقی نمونے موجود ہیں۔ غالب کے ہم عصر اور زمانہ مابعد کے تذکروں اور قیام پاکستان کے بعد آج تک کے انتقادی سرمائے پر نظر ڈالی جائے تو اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ کہ ان کی نظم ہو یا نثر، اردو کلام ہو یا فارسی ان کے مذہبی افکار، خیالات، مشاہدات اور تجربات میں عقیدت اور خلوص کی جو گہرائی موجود ہے، وہ اہل صدق وصفا کے اخلاص سے کسی طرح کم نہیں۔ غالب نے جہاں القاب وآداب سے معرّیٰ خطوط لکھنے کی طرز جدید کو رواج دیا، وہاں بعد حمد باری تعالیٰ اور ثنائے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم، خطوط لکھنے کی روایت کو، اردو میں جاری کرنے کا سہرا بھی ان ہی کے سر بندھتا ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کے نام ایک خط کی ابتدا یوں کرتے ہیں:

بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے [1]

بظاہر غالب کی عملی زندگی "سنت" سے خالی تھی لیکن عظمت رسولؐ ان کے دل کی گہرائیوں میں موجود تھی اور انھوں نے ہمیشہ اپنے کلام میں برملا، جابجا عظمتِ رسولؐ و آلِ رسولؐ کا اقرار کیا۔ نواب کلب علی خان بہادر مالی طور پر غالب کی مدد کرتے تھے ،اس لیے غالب بھی ہمیشہ نواب صاحب کی دلجوئی میں مصروف رہتے تھے۔ انھی کے نام ایک اور خط میں غالب ان کو دیدار

رسولؐ کی دعا دے رہے ہیں کیوں کہ غالب کا عقیدہ ہے کہ دیدار شہنشاہِ کائنات سے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کی تمام منزلیں بھی آسان ہو جاتی ہیں اور ناکامیاں، سرفرازیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ نواب صاحب کے نام ایک دعائیہ قطعہ ملاحظہ ہو:

ہم نہ تبلیغ پہ مائل، نہ غلو کے قائل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
یا خدا! غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلب گار ہے جن کا عالم
اوّلاً عمرِ طبیعی بہ دوامِ اقبال
ثانیاً دولتِ دیدار شہنشاہِ امم[2]

خط کے یہ دعائیہ اشعار، جہاں نواب کلب علی خاں بہادر سے غالب کی دلی وابستگی کو ظاہر کرتے ہیں وہاں اس سے کئی گنا زیادہ حبِّ رسول سے سرشار، اس قطعہ کے آخری مصرع نے جہاں غالب کے اندر کا عاشق باہر آتا ہے اور محبوب کے دیدار کو دولت دین و دنیا جانتے اور مانتے ہوئے پورے قطعے کو روحانی طور پر مقدس اور متبرک بنا رہا ہے۔

عرفان رسول کا عشقیہ اظہار

غالب کا عشقِ رسولؐ ایک مومن کامل کی طرح ہے اس میں جاں سپاری اور خود سپردگی کی کیفیت پائی جاتی ہے جس کے لیے وہ ہمہ وقت تیار رہتے تھے حتیٰ کہ جب غالب کے مضمحل قویٰ کے عناصر میں اعتدال نہیں رہا اور وہ صاحب فراش ہو گئے، تب بھی نبی کریمؐ کی خاطر فدائیت کا جذبہ عروج پر تھا۔ حالاں کہ عمر کے اس حصہ میں عشق سے زیادہ عبادات کے ظاہری رنگ کا اپنایا جاتا ہے جب کہ غالب نے یہاں باطنی اور قلبی رُخ کو اپنایا ہے۔ نواب علاء الدّین احمد خاں علائی کے نام ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

> "مشرک وہ ہیں جو مسلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابوالائمہ کا ہم سرمانتے ہیں۔ دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے۔ موحد خالص اور مومن کامل ہوں.......... انبیاء سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ اللعالمین ہیں.......... اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہو گا بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہوں گا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کروں گا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی و امامت مرتضوی اس میں جلیں۔"[3]

عشقِ رسول ﷺ میں غالب کی سرشاری کا یہ عالم، لائقِ صد تحسین و آفرین ہے۔ غالب کی شاعری میں بھی، نثر کی طرح حُبِّ رسولؐ کے موتی موجود ہیں اور جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب آزاد رو اور رند مشرب تھے لیکن وہ ملحد نہ تھے، پکے موحد تھے۔ وہ کافر نہ تھے، گناہ گار تھے انھیں عام انسانوں کی طرح غلطیوں کا خوگر سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس وضاحت کے ساتھ، کہ ان کو گناہ گار ہونے کا اعتراف تھا۔ اگرچہ گناہ کا جواز تھا لیکن ان پر اصرار نہ تھا، وہ اپنی مے نوشی کی عادت کی بدولت، ایک گونہ بے خودی کا ناقابل قبول جواز بھی پیش کرتے ہیں لیکن ان لغزشوں کے باوجود، ان کا دل صاف تھا۔

وہ روح کی گہرائیوں سے وجود خداوندی کے قائل اور اس کی وحدت پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ رسول پاک کی تقدیس اور عظمت کے بھی قائل تھے۔ حمد ہو یا نعت، ہر ایک میں ان کا مخصوص لہجہ اور دوسروں سے مختلف زاویہ نگاہ ہے۔

نعتیہ اشعار میں عرفان رسول کا اظہار

نعتِ رسول ﷺ مقبول میں غالب کا عرفانِ رسولؐ معصومیت کی روشنی، طہارت کی چاندنی اور صداقت کی چاشنی کے دل کیف نظاروں پر مشتمل ہے اور یہی اس کی انفرادیت ہے۔ بظاہر تو غالب کے ہاں نعت کا موضوع بہت مختصر نظر آتا ہے اس لیے اس کی حدیں حضور کی زندگی اور سیرت سے آگے نہیں جاتیں۔ گویا غالب کے لیے نعت ہی سیرت رسول کے قلبی بیان کا ایک زاویہ ہے جو بیان سے عرفان تک جاتا دکھائی دیتا ہے، غالب کے نعتیہ اشعار سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ نعت کا مقصد تعریف و توصیف سے بڑھ کے جناب رسول اکرم کی ذات مبارکہ کا عرفان ہے۔ یوں غالب کے نعتیہ اشعار میں رسول کریم کی شخصیت اور تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی۔ در حقیقت غالب کا یہ انداز حضور ﷺ کی ذات کے عرفان اور شخصیت و تعلیمات میں تفکر کے ذریعہ سے اپنی شخصیت کو جلا بخشنے کا عمل ہے۔ اپنی شخصیت کو جلا بخش کر انسان خودی کے عمل سے گزر سکتا ہے اور یہی خودی انسان کو ذات حق کا عرفان بھی دال سکتی ہے۔ لیکن اس مرحلے کو آسان کر دیتے ہیں اور خودی کے مرحلے کو چھوڑ کر عرفان ذات رسول سے سیدھے عرفان ذات حق تک جا پہنچتے ہیں۔ یوں عرفان ذات رسول سے غالب عرفان ذات حق کے در کھولتے نظر آتے ہیں۔ غالب حضور انورؐ کی ذات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے نور کے ظہور کے قائل ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں:

منظور تھی یہ شکل، تجلّی کو نور کی
قسمت کھلی، تیرے قد و رُخ سے ظہور کی[4]

غالب کی اردو غزل کا یہ مطلع، بلاشبہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کے لیے، اردو کی نعتیہ شاعری میں بے مثال ہے۔ حقیقت محمدیہ کو جاننے کے لیے واقعہ معراج کے بعض پہلو بھی قابل غور ہیں کیوں کہ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ذات رسول کو ذات الہ تک براہ راست رسائی عطا کی گئی جو عرفان ذات کے دونوں پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے اس لیے غالب کے ذہن میں معراج کا واقعہ اس طرح چھایا رہا کہ جب بھی انھوں نے حضور اکرمؐ کا خیال کیا، آپؐ کے قدوم مبارک، زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر نظر آئے گویا عرفان رسول سے عرفان ذات تک پہنچتے رہے۔ غالب کی نہایت مشہور اور نمائندہ غزل ہے۔ ”نہیں ہوں میں“ جس میں وہ تاجدار کائنات کی مدح میں سوال کرتے ہیں کہ آخر وہ کون ہے جس کی نظروں میں لعل و زمرد اور گوہر کی کوئی وقعت نہیں تھی، جس نے فقر کو اپنا فخر قرار دیا، وہ کون تھا جس نے مہر و ماہ پر قدم رکھا اور اس کا یہ شرف معراج کہلایا، وہ کون سی ہستی تھی کہ آسمان کو جس کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ نعتیہ ادب میں ایسی کوئی چیز تلاش کرنا، فعل رائیگاں ہو گا۔ غالب کا عرفانِ رسولؐ ان نعتیہ اشعار میں نمایاں ہے:

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟
لعل و زمرّد و زر و گوہر نہیں ہوں میں؟
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟
رتبے میں مہر و ماہ سے کم تر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے؟
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں [5]

غالب، جنت کے منکر نہیں، مگر غالب کے نزدیک جنت کی حقیقی معنویت اور ضرورت اسی صورت میں ابھر کر سامنے آسکتی ہے کہ وہ کسی محبوب کی، کسی دلبر کی، کسی معشوق کی جلوہ گاہ ہو غالب نے دعائیہ انداز میں یہ مضمون باندھا ہے۔ یہ ندرتِ اسلوب کی بہترین مثال ہے ورنہ اسے یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہِ مصطفویؐ ہونے کی وجہ سے ہی اہل ایمان کے لیے معنوی نہیں بل کہ حقیقی جنت ہے:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف، سب درست
لیکن خدا کرے وہ ترا جلوہ گاہ ہو [6]

عہد غالب کے معاشرتی اور ادبی حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں مسلمانوں کے ہاں میلاد النبیؐ کو ایک اہم جشن اور تہوار کے طور منایا جاتا تھا۔ جس کا مقصد جہاں ایک طرف ماحول کو متبرک کرنا ہے وہیں اس کی مدد سے تسکین قلبی کا سامان کرنا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی ولادت باسعادت اور تشریف آوری، اس عہد کے بہت سے شاعروں کا موضوع تھی۔ میلاد ناموں کے علاوہ شعری مجموعوں میں بھی ایسا کلام نظر آتا ہے۔ غالب ہی کا ایک شعر ۱۲۔ ربیع الاوّل کی صبح پر نور کی یاد دلاتا ہے:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد، آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل، رہ گزر میں خاک نہیں [7]

غالب، شب معراج کے واقعے کو پیش نظر رکھ کر، کسی نہ کسی طور حصول بلندی کے خواہش مند رہتے ہیں:

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے ادھر ہوتا کاش کے مکاں اپنا [8]

حضور اکرمؐ ذات کے اعتبار سے بشر اور صفات کے لحاظ سے فوق البشر ہیں۔ وہ کائنات کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ کُل صالحین، حضور انورؐ کے مرتبے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے کہ وہ عطائے الٰہی تھے لیکن آرزؤں اور تمنائوں پر قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ اگر غالب کی آرزو اور خواہش سرحدِ ادراک سے پرے، آشیاں بنانا چاہتی ہے، تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ غالب کا مشہور شعر ہے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم، یارب!
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا [9]

غالب کے اس خیال کی توثیق، غالب کے بعد عشق رسول میں سرشار اور غالب کی تکمیل کہلائے جانے والے فلسفی شاعر اقبال نے بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر شارحین، مذکورہ بالا شعر کی وضاحت کے لیے اقبال کے درج ذیل شعر کو پیش کرتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں [10]

غالب اور اقبال کے ان دونوں اشعار میں پوشیدہ فکر سے جب قاری دیکھتا ہے تو جناب رسول کریم کی ذات عالیہ اپنی سیرت و صفات کی تمام تابانیوں اور ازل سے ابد تک کی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ قرطاس سے اتر کر قاری کی قلب و ذہن کو تابانی بخشتی ہے۔ یہاں غالب کا عرفان رسول اپنی انتہا کو نظر آتا ہے جب وہ واقعہ معراج سے واضح کر دیتے ہیں کہ سرور کائنات اس مرتبہ پر فائز ہیں جہاں ان کے زیر قدم کُل کائنات ہے۔ کاندھے پر اُمت کا بوجھ اور سر پر محسن انسانیت ہونے کا تاج اور دست مبارک میں نجات کی زنبیل ہے۔

نعتِ رسول مقبولؐ، نورِ قرآن بھی ہے اور سنتِ رحمٰن بھی اور اصناف ادب میں بھی اعلیٰ وارفع مقام رکھتی ہے۔ یہ اپنے محاسن ومحامد کی خوبیوں اور اسلوب کی رعنائیوں کی وجہ سے محبت کی ضیا، اور ربّ کائنات کی دل کش ادا بن جاتی ہے۔ یہ صفتِ تابندہ، ایسی دولتِ حسن ہے، جس کو زوال نہیں۔ یہ ایسا رشتہ نازک ہے، جس کی مثال نہیں۔ یہ ایسا کلام ہے، جس کا حکم خدا دیتا ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ یہ شرک سے مبرّا ہو۔ حقیقی انوار وصفات سرورِ عالم ﷺ کا اجالا ہو۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ نعت کہنا، نازک ترین مرحلہ ہے، غالب کو ان تمام قرینوں کا بخوبی احساس تھا۔ تب ہی تو یہ کہا:

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے
زباں پہ، بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے [11]

درج بالا اشعار میں، جانِ رحمتؐ کا کوئی نام مبارک نہیں ہے لیکن معنوی قرائن، لامحدود کی طرف سفر، شعر کا خیال اور شاعر سے ہماری واقفیت ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ یہ نعت کے اشعار ہیں۔ "ورق تمام ہوا" غالب نے یہ شعر تجمل حسین خان کے لیے اپنی مدحیہ غزل میں کہا تھا مگر یہ ملبوس شعری، خان صاحب کے قد سے کہیں بڑا تھا اور یوں زبانِ خلق نے اس شعر کو نعت کا شعر بنایا اور دوسرا شعر "بوسے مری زباں کے لیے" بھی خاں صاحب کے لیے تھا لیکن وہ بے چارے اس شعر کے مصداق کب ہوسکتے تھے۔ اس لیے ہمارے اجتماعی ذوق شعری نے اس شعر کو خراج تحسین کا وسیلہ اور ذریعہ بنا کر سرکارِ دوعالمؐ کی بارگاہِ عالیہ میں پہنچادیا اور یہ بات بھی یاد رہے کہ شاعر جو کچھ کہتا ہے خود اس پر، اس کے مکمل معانی منکشف ہونا ضروری نہیں۔"[12] غالب کا ایک اور شعر ہے جس کے متعلق ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ (صدر شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد) کی علمی و فکری رائے ہے کہ یہ شعر بھی نعت کا ہے اور "قدِ دل کش" سے مراد جناب سرورِ کائناتؐ ہیں اور "سرو وصنوبر" سے مراد جناب حضرت عمر فاروقؓ اور جناب حضرت علیؓ ہیں۔[13] شعر ملاحظہ ہو:

سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو وصنوبر
تُو اس قدِ دل کش سے جو گل زار میں آوے [14]

غالب کا یہ اسلوب یقینی طور پر قلب و نظر کو ضوبار کرتا ہے اور آرزو و جستجو کو زرنگار کرتا ہے۔ بارِ گاہ رسالت مآب میں غالب کا ایک اور شعر دیکھیے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدحت رسول کے لیے صرف زبان وبیان پر قدرت کافی نہیں بل کہ شاعرانی فنی صلاحیت کے ساتھ قلب و ذہن کی پاکیزگی، عشق رسول کی وارفتگی اور خلوص بھی ضروری ہے۔ غالب کے اس شعر میں قلب و فکر کی پاکیزگی کا رنگ زبان وبیان سے گہرا ہے:

عرش پر تیرے قدم سے ہے، دماغِ گردِ رہ
آج تنخواہِ شکستن ہے کلہِ جبریل کی[15]

ایک اور شعر دیکھیے، یہاں بھی غالب عرفان رسول کے لیے واقعہ معراج کا سہارا لے کر قاری کے ذہن پر یہ عکس ڈالتے ہیں کہ اپنے مرتبے کو رسول کے مرتبے سے پہچانو، گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس نے رسول کے واسطے آسمان کی حدود ختم کر دیں وہی مالک ہمارے واسطے اس کے وسیلے سے سب مشکلات ختم کر دے گا اور سب کام آسان ہو جائیں گے:

اس کی امّت میں ہوں مَیں، میرے رہیں کیوں کام بند؟
واسطے جس شہؐ کے غالب! گنبدِ بے در کھُلا[16]

غزل کا یہ مقطع، خالص نعتیہ مضمون کا حامل ہے اور صنعت تضاد کے دلکش استعمال سے قطع نظر، اپنی معنویت کے اعتبار سے قابلِ داد ہے۔ واقعہ معراج کی بلیغ تلمیح اور اسی کے وسیلے سے آسمان کے لئے "گنبدِ بے در کھُلا" کی ترکیب کا بر محل استعمال اور اس ہستی بابرکات کی امّت میں ہونے کا افتخار اور اسی حوالہ سے اپنے کام بند نہ رہنے کا ایمان و یقین، ان سب حوالوں نے غالب کے اس شعر کو نعت شریف کے ماتھے کا جھومر بنا دیا ہے۔

حُبِ اہل بیت سے عرفان رسول

غالب کا عرفانِ رسول ﷺ، حُبِ آلِ رسول ﷺ سے مشروط ہے۔ سورۃ احزاب کی آیت 56 میں اللہ نے یہ فرما کر کہ "اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو" واضح کر دیا کہ اللہ کو اہل بیت سے بھی محبت ہے کیوں نماز میں درود ابراہیمی کا آغاز اسی بات صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ سے ہو جاتا ہے کہ اے اللہ رحمتیں نازل فرما محمد پر ان کی آل پر۔ غالب بھی اسی فکر کے قائل ہیں اور ذکر امام عالی مقام کے ذریعے سے ذات رسول کی روشنی کو اپنے ایمان کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ "سلام بحضور امام عالی مقام" میں غالب، حضرت امام حسینؓ پر یوں سلام بھیجتے ہیں:

ہمارا منہ ہے کہ دیں اس کے حسنِ صبر کی داد
مگر نبیؐ و علیؓ، مرحبا کہیں اس کو
علیؓ کے بعد حسنؓ اور حسنؓ کے بعد حسینؓ
کرے جو ان سے برائی، بھلا کہیں اس کو
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے
رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اس کو[17]

مذکورہ بالا اشعار میں غالب کا عرفانِ رسولؐ و آلِ رسولؐ لائق صد تحسین و آفرین ہے۔ غالب کے فارسی کلام میں نعت شریف، مختلف اصناف میں بکھری ہوئی ہے۔ انھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، نوحہ، رباعی، قطعہ اور فاتحہ وغیرہ کی شکل میں مدحتِ رسولؐ کے مہکتے گلاب سجا دیے ہیں۔

فارسی کلام میں عرفان رسول کے ابھرے زاویے

غالب کی فارسی غزلیات میں نعت کا سرمایہ نسبتاً کم ہے۔ صرف ایک غزل کے تین شعر اور ایک پوری غزل نعت میں ہے:

اے خاکِ درت قبلہ جان و دلِ غالب
کز فیض تو پیرایہ ہستی است جہاں را
تا نام تو شیرینی جان دادہ بہ گفتن
در خویش فرو بردہ دل از مہر زباں را
بر اُمّت تُو دوزخ جاوید حرام است
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را[18]

ان اشعار میں غالب نے اپنا مذہبی عقیدہ واضح کر دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے در کی مٹی، ان کے جان و دل کا کعبہ ہے۔ انہی کے کرم سے کائنات کی آرائش ہے، انہی کے فیض سے غالب کی گفتار میں روح کی سی شیرینی ہے۔ دوزخ کی آگ آپ ﷺ کی امت پر حرام ہے اور آپ ﷺ ہی شافع ہیں۔ ان اشعار میں جوشِ عقیدت، تاثیر اور سلاست بلند ہے۔ غالب کی مذہبی، ذہنی اور فکری دنیا کی تعمیر، اسی ذاتِ بابرکات ﷺ سے ہوئی ہے۔ غالب نے مرتبہِ نبوت ﷺ کو جس طرح سمجھا اور بیان کیا، بے مثال ہے۔ ان نعتیہ اشعار میں عشق رسول کی تیز آنچ قاری کے دل میں احساس کی گرمی پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔ اپنے ممدوح کے پیغام کو غالب نے جس طرح پیش کیا ہے وہ اس لیے اور زیادہ قابل تعریف ہے کہ اس کا دائرہ صرف جذبات حب نبی کے حصار تک ہی محیط نہیں بل کہ یہ عرفان نبی کا ذریعہ بھی ہیں۔ عرفان رسول کے حوالے سے یہ شعر تو فنی و فکری بلندیوں کو چھو رہا ہے:

حق جلوہ گر ز طرزِ بیان محمد است
آرے کلام حق بہ زبان محمد است[19]

غالب کو یقین ہے کہ محمدؐ کے فرمان میں خدا کا جلوہ ہے اور کلام خدا، بہ زبان محمد، ادا ہوا ہے۔ بلاشبہ اس شعر میں خدا اور رسولؐ کی مرتبہ شناسی بھی ہے اور ایمان کی حرارت بھی اور اس کے ساتھ، ساتھ فکر و بیان کی صلابت بھی۔ اس شعر میں ذومعنویت بھی ہے، حق کا اشارہ ذات خداوندی کی طرف بھی ہے اور ابدی آفاقی سچائی کی طرف بھی۔ اسی غزل کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

آئینہ دار پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار، ز شان محمد است[20]

اس شعر میں غالب نے ذات رسولؐ کو مثل چاند اور ذات خداوندی کو آفتاب کہ کر، ہر دو کے مرتبے کا تعین کر دیا ہے اور باہمی تعلق کا بھی، ایک ہستی (خدا) میں نور، بہ صورت ذات و کمال ہے جب کہ دوسری ہستی (نبی اکرمؐ) میں، اس سے اکتساب کی حالت عیاں ہے، یعنی نور کا اشتراک بھی ہے اور ذات کی دوئی بھی۔ غالب، اسی موضوع کو نئے اُسلوب میں یوں پیش کرتے ہیں:

تیر قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
اما کشاد آن ز کمانِ محمد است

غالب کا کہنا ہے کہ تیر قضا، ترکش حق ہی میں ہوتا ہے لیکن یہ قضا کا تیر، محمدؐ کی کمان ہی سے چلتا ہے یعنی رائے حق، رضائے محمدُ ہے، اس نعت کے اگلے شعر میں، غالب نے اسلوب بدل کر، ایک عام مضمون کو اپنے خاص رنگ میں یوں ادا کیا ہے:

دانی اگر بہ معنی لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمدؐ است

لولاک کا اشارہ اسی حدیث مبارکہ کی طرف ہے جو پیش کی جاچکی ہے۔ گویا ذات رسولِ پاکؐ، باعث تخلیق کائنات ہیں۔ لولاک کے معنی کو سمجھنے سے معلوم ہوگا کہ حق تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ محمدؐ ہی کا ہے۔ اور اس غزل کے آخری شعر میں تو غالب نے کمال کر دیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو حضور انورؐ کی توصیف کے لائق نہیں سمجھتے اور کارِ عظیم کو خدائے واحد کے لیے، یوں کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک، مرتبہ دان محمد است [1]

حقیقت بھی یہی ہے کہ وہی توصیف کا حق ادا کر سکتا ہے جو کسی کا مرتبہ دان ہو، حضور اکرمؐ کا مرتبہ دان اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے انسان آپؐ کے مرتبے کے بارے میں اپنے قیاس سے کام لیتا ہے اور قیاس، حقیقت کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ غزلیات غالب کے یہ اشعار ان کے وجود کی گہرائیوں میں موجزن محبت رسولؐ کے احساسات، مذہبی حقائق کے ادراک اور سیرت اقدسؐ کے مطالعے کا بھرپور احساس دلاتے ہیں۔ غالب کے ندرتِ اظہار کی بدولتیہ اشعار براہ راست، ذہن ودل پر اثر انداز ہو کر قاری کے ایمان میں تازگی اور حرارت پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

واقعہ کربلائے معلی سے عشق وعرفان رسول کا سفر

اب ان گیارہ اشعار کا ذکر جو اگرچہ براہِ راست نعت شریف کے نہیں لیکن کربلائے معلی میں امام عالی مقام پر جو گزری، اس کا شکوہ فلک بے داد سے، جن لفظوں میں کیا ہے، وہ خود ایک شہ پارہ ہے جس کے ہر شعر کی ردیف مصطفیؐ ہے۔ چند اشعار بطور عقیدت ملاحظہ ہوں:

ای فلک! شرم از ستم بر خاندانِ مصطفیؐ
داشتی زین پیش سر بر آستانِ مصطفیؐ
ای بمہر وماہ نازان ہیچ می دانی چہ رفت؟
از تو بر چشم وچراغ دودمانِ مصطفیؐ
سایہ از سر وروان مصطفیٰ نفتد بخاک
ہاں، چہ بر خاک افگنی سر ورانِ مصطفیؐ
کینہ خواہی بیں کہ با اولاد امجادش کنی
آنچہ بامہ کردہ، اعجاز بنانِ مصطفیؐ
نیک نبود کز تو بر فرزند دلبندش رود
آنچہ رفت از مرتضیٰؑ بر دشمنانِ مصطفیؐ [21]

خلاصہ نتائج

بلاشبہ ان اشعار میں غالب نے بڑی صداقت کے ساتھ رسول اکرمؐ و آلِ رسولؐ کی تعریف و توصیف اور ان کی تسلیم و اطاعت اور خلوص و عقیدت کو پیش کیا ہے۔ غالب کے نعتیہ اشعار کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ: ۱۔ غالب رسولؐ اور آل رسولؐ سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ۲۔ غالب کا عرفانِ رسولؐ، صداقت، خلوص، جلالت، جوش اور بلند آہنگی کا مظہر ہے۔ ۳۔ غالب وحدت الٰہی کی طرح، وحدتِ رسولؐ یعنی خاتم النبین کو بھی اپنا عقیدہ قرار دیتے تھے۔ ۴۔ غالب کا عرفان رسولؐ ایک مسلمان کو مرکزِ کائنات اور خالقِ کائنات سے براہ راست مربوط قرار دیتا ہے۔ ۵ اہلِ سنت کے عقیدہ کے عین مطابق عظمتِ صحابہؓ، غالب کے عرفانِ رسولؐ کا اٹوٹ انگ ہے۔ بالخصوص مولائے کائنات کی محبت بھی جزو لانیفک ہے۔ ٦۔ غالب کے نعتیہ کلام کا اسلوبِ بیان، سلطانِ مدینہؐ سے یہ قربت، وقار اور تمکنت کے ساتھ دل گرفتگی کا یہ اظہار، اردو اور فارسی کی نعتیہ شاعری میں بے مثال ہے۔ ۷۔ غالب نے اپنی فارسی نعتوں کے ذریعے، نعتیہ شاعری کو رنگارنگی اور وسعت عطا کر دی ہے۔ انھوں نے عُشاقِ ادب اور قارئین نعت کو، غزل، قصیدہ، مثنوی اور قطعہ کی ہیئت میں قابل قدر اور بیش بہا سرمایۂ نعت، بطور اثاثہ، عطا کیا ہے۔ ۸۔ الفاظ کا حسن انتخاب، ایجاز، رمزیت و ایمائیت، دشوار پسندی، دل نشینی، تہ داری، ندرت اسلوب، حقائق نگاری، بندش کی چستی، ترتیب الفاظ میں موزونیت، عبارت میں متانت اور حلاوت کی لطیف آمیزش، واقعات کی سچی تصویر کشی، جدت طرازی، الفاظ میں شکوہ، کلام میں پختگی، بیان میں زور، فکر میں لطافت، تخیل میں بلندی، تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کی ندرت، صنائع بدائع کا دل کش استعمال، حفظِ مراتب کا احساس، غالب کے عرفانِ رسولؐ کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ۹۔ غالب کے عرفانِ رسولؐ سے کما حقہ مستفید ہونے کے لیے عصری حالات، مذہبی علوم، قرآنی اور اسلامی اصطلاحات، انبیائے کرامؑ اور دیگر صلحائے عالم کے واقعات و واردات، پیغمبر مدنیؐ کے متعلقین اور متعلقات سے واقفیت اور فلسفیانہ مسائل سے آگاہی بہت ضروری ہے۔

غالب کے بعد حالی اور اقبال نے نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں بے مثال کردار ادا کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ساجد اسدی (پیامبرِ مغفرت ۱۹۷۵)، راغب مراد آبادی (مدحتِ خیر البشر ﷺ ۱۹۷۹)، ابرار کرتپوری (مدحت ۱۹۹۲)، ایاز صدیقی (ثنائے محمد ﷺ ۱۹۹۳)، بشیر حسین ناظم (جمالِ جہاں افروز ۱۹۹۸)، بالخصوص وہ شعرائے کرام ہیں، جنہوں نے غزلیاتِ غالب کی زمینوں کو نعت گوئی کے لئے برتا ہے۔

References

[1] Khaleeq Anjum(Copmiler), Ghalib ky Khatoot (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 1998AD), 2:700

[2] Khaleeq Anjum(Copmiler), Ghalib ky Khatoot (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 1998AD), 3:1252

[3] Khaleeq Anjum(Copmiler), Ghalib ky Khatoot (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 1998AD), 1:397

[4] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 2012AD), 339

[5] Aagha Muhammad Baqar, Sharaa Bayan-e-Ghalib (Lahore : Maktaba Aalia, 1997AD), 223

[6] Aagha Muhammad Baqar, Sharaa Bayan-e-Ghalib, 255

[7] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 2012AD), 292

[8] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib, 326

[9] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 2012AD), 251

[10] Allama Iqbal, Baal-e-Jibreel (Lahore: Shaikh Muhammad Basheer and Sons), 33

[11] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 2012AD), 319

[12] Muhammad Abul-Khair Kashfi, Ghazliaat-e-Ghalib mein Na'at ki Jalwa Gari MASHMOOLA Ghalib aor Sana-e-Khwaja (Karachi: Na'at Research Center, 2009AD) 48

[13] Conversation with Writer at Islamabad, Dated: 10TH June.2013

[14] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu, 2012AD), 310

[15] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib, 247

[16] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib, 349
[17] Kaalidas Gupta Raza(Copmiler), Deewan-e-Ghalib, 367

[18] Sayed Murtaza Hussain Fazil Lakhnavi(Compiler), Kuliyat-e-Ghalib Farsi (Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1967AD), 7

[19-24] Sayed Murtaza Hussain Fazil Lakhnavi(Compiler), Kuliyat-e-Ghalib Farsi, 113
[25] Sayed Murtaza Hussain Fazil Lakhnavi(Compiler), Kuliyat-e-Ghalib Farsi, 441